ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت

زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ○

کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے

صدق اللہ العظیم

بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی
رحمۃ اللہ علیہ

زیر ادارت جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود

۶۰

مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور پاکستان

ارشادِ نبوی

فتنوں کا دور

وعن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
اذا اتخذ الفیئ دولاً والامانة مغنماً والزکوٰة مغرماً
وتعلّم لغیر الدین واطاع الرجلُ امرأتهٗ وعقّ
امّهٗ وادنٰی صدیقهٗ واقصٰی اباهٗ وظهرت
الاصوات فی المساجد وساد القبیلة فاسقهم
وکان زعیم القوم ارذلهم واکرم الرجل
مخافة شرّه وظهرت القینات والمعازف
وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامّة
اوّلها فارتقبوا عند ذالک ریحاً حمراء
وزلزلةً وخسفاً ومسخاً وقذفاً وآیاتٍ
تتابع کنظام قطع سلکهٗ فتتابع

(رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جب مالِ غنیمت کو ذاتی مال بنا لیا جائے گا اور امانت کو غنیمت اور
زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے گا اور علم غیرِ دین کے لئے حاصل کیا جائے
گا، اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا۔ اور والدہ کی نافرمانی
اور دوست کو قریب کرے گا اور والد کو دور ہٹائے گا ـــــ
ـــــ اور مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی، اور قبیلہ کا
سردار ان کا فاسق ہوگا۔ اور قوم کا وڈیرا ان کا کمینہ اور گھٹیا
آدمی ہوگا ـــــ اور آدمی کی عزت اس کی شر سے بچنے کے لئے
کی جائے گی ـــــ
ـــــ گانے والیاں اور آلات لہو ولعب (باجے گاجے)
بہت ہو جائیں گے ـــــ شرابیں پی جائیں گی ـــــ
اس امت کے آخر میں آنے والے پہلوں پر لعن طعن کریں گے۔ سو ایسے
وقت تم سرخ ہوا کے چلنے، زلزلہ کے آنے زمین میں دھنسائے جانے شکلوں
کے بگاڑے جانے اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا انتظار کرو (اس کے علاوہ)
اور بہت سی مسلسل نشانیاں ایسے آئیں گی جیسے ہار کا دھاگا ٹوٹنے کے بعد موتی لگاتار گرتے ہیں

مفکرِ اسلام مولانا مف ... مو

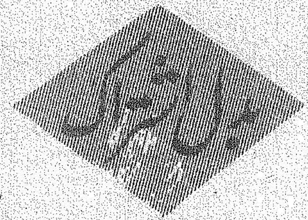
بسم اللہ الرحمن الرحیم



۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ
۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء

جلد ۲۰

شمارہ ۳۳



سالانہ ۲۶/- روپے
ششماہی ۱۴/- روپے
سہ ماہی ۷/- روپے
فی شمارہ ۶۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

نظامِ شریعت کانفرنس

جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی، صوبائی اور ضلعی عہدے داروں نے ۳ نومبر ۷۴ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے اہم ترین اجلاس میں ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۷۵ء کو لاہور میں کل پاکستان سطح پر ایک "نظامِ شریعت کانفرنس" منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کے انتظامات کے لیے ایک استقبالیہ کمیٹی تشکیل کر دی ہے جس کے سربراہ حضرت جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور ہوں گے اور ناظم مولانا محمد اجمل اور جناب عبد الحمید بٹ!

اس سے پہلے بھی دو مواقع پر جمعیت نے ملکی سطح پر ایسی ہی کانفرنسیں منعقد کی تھیں جنہوں نے ملکی تاریخ میں اہم رول ادا کیا تھا پہلی کانفرنس ۶۸ء میں لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ یہ زمانہ ایوب خان کے چل چلاؤ کا تھا۔ ایوب خاں اپنے دس سالہ اقتدار کے "جشن" میں مصروف تھا اور اس نے ملک میں ایسی گھٹن کی فضا پیدا کر دی تھی کہ کوئی دم مارنے کی جرأت نہیں کرتا تھا بڑے بڑے جمہوریت اور عوامی حقوق کے "چیمپئن" مہر بہ لب وقت کی سنگینی کا خاموشی سے منہ دیکھ رہے تھے لیکن آگے بڑھ کر للکارنے کی کوئی جرأت نہ کرتا تھا۔ ایسے میں قافلۂ ولی اللٰہی کے حُدی خوانوں نے اس سکوت کو توڑنے کا فیصلہ کیا اور مختصر سے نوٹس پر اربابِ عزیمت کو لاہور آنے کی دعوت دی۔

لیکن جب وہ دن آئے تو چشمِ عالم یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کراچی سے پشاور تک کے بوریہ نشین علماء، صلحاء، اور ان کے نام لیوا ہزاروں کی تعداد میں لاہور پہنچ چکے ہیں اور ظلم و استبداد کو للکار رہے ہیں۔

تیسرے دن انتہائی ڈرامائی انداز سے جلوس کا اعلان کر دیا گیا تو اس میں صرف پانچ ہزار مستند اور متدین علماء شامل تھے۔ جنہوں نے لاہور کی سڑکوں پر میلوں مارچ پاسٹ کر کے اسلامی نظام کے قیام عوامی حقوق کی بحالی اور ظلم و جبر بند کرنے کے مطالبات کیے۔ یہ وہ دور تھا کہ حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے والی کسی پارٹی یا فرد کا کوئی سا بیان یا کسی تقریب

کی کسی کارروائی کا اخبارات میں شائع ہونا یا دوسرے ذرائع ابلاغ سے نشر ہونا محال تھا اور اس سہ روزہ عظیم کانفرنس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا — لیکن ارباب حکومت جس طرح بوکھلا اُٹھے اور سرکاری دفاتر میں "مراسلات" بھیج کر ان بوریہ نشینوں کے معاملہ میں محتاط رہنے کا نادرشاہی حکم دیا اس سے ایک دنیا آگاہ ہے۔

مختصر یہ کہ ہر طریق سے اس کانفرنس کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن "دس سالہ دور" آخر اسی کی نذر ہو گیا۔ اور ملک میں عوامی تحریک بھڑک اٹھی۔

اس کے بعد ۷۰ء کا سال پاکستان کے لیے بڑا اہم تھا دو درجن کے قریب سیاسی پارٹیاں جن میں بعض "نئی نویلی" پارٹیاں بھی تھیں۔ رنگارنگ پروگرام لے کر میدان میں اُتریں۔ اس مرحلہ پر جمعیۃ واحد جماعت تھی جس نے صحیح اسلامی نظام کے قیام کو اپنا لائحہ عمل قرار دیا اور اس کے لیے طورخم سے لے کر چٹاگانگ تک پھر کر دنیا پہ اتمام حجت کر دی۔

اور اس فیصلہ کو پوری دنیا پہ واضح کرنے کے لیے لاہور میں ایک کل پاکستان کانفرنس کا انتظام کیا جس میں "مرحوم ملک" کے دونوں حصوں سے علماء اُمت اور عمائدین قوم نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور اس مرحلہ پہ بلاشبہ لاہور کی آبادی دوگنا ہو گئی جیساکہ اس زمانہ میں اخبارات نے لکھا تھا۔ اس کانفرنس میں ایک ہزار سے زائد بسیں ملک کے مختلف حصوں سے لاہور آئیں جبکہ دوسرے ذرائع سے لاہور پہنچنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اس موقعہ پہ ارباب جمعیت نے قوم کو جہاں واضح پروگرام دیا وہاں آئندہ کے خطرات سے بھی آگاہ کر دیا۔ اور ہم یہ بات کہنے میں ذرا باک نہیں محسوس کرتے کہ اگر ان بوریہ نشین رہنماؤں کی بات مان لی جاتی تو ملک دولخت نہ ہوتا۔

بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا ملک دو ٹکڑے ہو گیا ہم نے جو زخم سینے تھے سہہ لیے لیکن ایک بات مسلّم ہے کہ ملک کے مابقی حصّہ کو شدید خطرات لاحق ہیں اور یہ بدقسمت ٹکڑا گورکنارے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کا واحد سبب حکمران ٹولہ کا طرزِ عمل ہے۔

بعد از خرابی بسیار ملک کو ایک آئین ملا لیکن جس طرح اس کی مٹی پلید ہو رہی ہے ملک کا ہر باشعور شہری اس سے واقف ہے۔

اسلامی دفعات محض خانہ پُری کے لیے شاملِ دستور ہیں اور ان دفعات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جو اسلامی مشاورتی کونسل دستوری طور پر بنائی گئی ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حکمران اسلام کے معاملہ میں کتنے مخلص ہیں؟

بنیادی حقوق کا باب دیکھیں کتنا حسین پیرایہ ہے لیکن عمل کی دنیا میں آپ کو ظلمات بعضہا فوق بعض کا سماں نظر آئے گا۔

الغرض کسی عنوان سے آپ سوچیں گھٹن کی فضا ہے افراتفری ہے، عدم اطمینان ہے، اخلاقی بے راہروی اور جنسی انارکی ہے اور ملک کراہ رہا ہے، عوام مایوسی کی انتہاہ گہرائیوں میں ڈوبتے چلے جا رہے ہیں۔

ایسے میں ۲۰ نومبر کو لاہور میں انہی بوریہ نشینوں نے ایک بار پھر یکجا بیٹھ کر مسائل پہ سوچا اور ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے تاکہ اجتماعی طریق سے ایک بار پھر مسائل کے حل کی فکر کی جائے اور قوم کی ڈوبتی نیّا کو بچانے کی تدابیر اختیار کی جائیں ———

خوش آیند بات یہ ہے کہ اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے ابن شیخ التفسیر دامت برکاتہم کو منتخب کیا گیا ہے جنہوں نے اپنے عظیم باپ کی روایات کو اپناتے ہوئے ہمیشہ ہی قافلۂ حق کے حدی خواں کا کردار ادا کیا اور کسی خوف و خطر یا لالچ و حرص کا شکار نہیں ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے پاکستان کے دل لاہور میں بیٹھ کر ہمیشہ ہی اہل حق کی بھرپور مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ جس کی مثالیں اَن گنت ہیں اور ان کی معاونت کے لیے ایک ایسی ٹیم سامنے آئی ہے جس کی جماعتی وابستگی، اصابت فکر اور انتظامی صلاحیتیں اظہر من الشمس ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ ٹیم مثالی انتظامات کرے گی۔

اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں پھیلے ہوئے جماعتی احباب اور دوستوں سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ ابھی سے بھرپور تیاریاں شروع کر دیں گے تاکہ یہ کانفرنس سابقہ روایات کی طرح اپنا مؤثر کردار ادا کر سکے اور اہلِ حق کی اجتماعی قوت کا بھرپور مظاہرہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات کا پابند بنائے اور حبل اللہ المتین کی سربلندی کے لیے جان و مال کی قربانی کا حوصلہ اور توفیق بخشے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

نمرودازم سے انکار اور سوشلزم پر اصرار

● پاکستان کے سب سے زیادہ ذمہ دار وزیر نے عیدالاضحیٰ کے مبارک موقع پر قوم کے نام اپنے ایک پیغام میں فرمایا کہ مسلمان سنتِ ابراہیمؑ ادا کرنے کی روایات برقرار رکھیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے جذبۂ قربانی کی یہ روایت تاریخ کے ایک عظیم واقعہ کی عکاس ہے۔

وزیر محترم کے اس بایزیدی ارشاد کی صداقت و اہمیت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سرتاپا قربانی ہے اور ان کی ہر قربانی نمرودازم کے خلاف ایک عظیم تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔

● خدا جانے دوسرے دن جناب وزیر کبیر کے دل میں کیا آئی کہ انہوں نے اپنے اس بیان کی روشنائی خشک ہونے کا انتظار کئے بغیر یہ بیان دے دیا کہ "پاکستان کے عوام کی ترقی و خوشحالی کے لیے واحد راستہ سوشلزم ہے" اور اس پر دلیل یہ دی کہ سوشلزم پاکستان کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے۔"

● وزیر موصوف اپنے عہدے اور منصب کے اعتبار سے ملک کے سب سے زیادہ ذمہ دار آدمی ہیں اور بعض سیاسی حلقوں کے قول کے مطابق "ان کا اور پاکستان کا وجود لازم و ملزوم ہے"۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے اقوال و افعال کو دنیا بھر کے انسان پاکستانی عوام کے جذبات کی ترجمانی سمجھتے ہوں گے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ سوشلزم پاکستان کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے یا پاکستان کے عوام اس فسطائی نظام کو پسند کرتے ہیں جب کہ موصوف خود بھی قوم سے اسلام کے نام پر ووٹ حاصل کر کے اپنے موجودہ منصب تک پہنچے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ اپنی متانتِ منصبی اور اخلاق و سنجیدگی کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بیدرنگ و بیدریغ نمرودازم کی مخالفت اور سوشلزم کی حمایت فرماتے ہیں اور نہایت تسلسل و تواتر کے ساتھ ایسی مجنونانہ باتیں کرتے چلے جا رہے ہیں کہ جو خورشید حسن میر جیسے کم ظرف لوگوں کے منہ سے بھی بری محسوس ہوتی ہیں!

● کیا پاکستان ہمارے اسلاف نے آگ کے دریاؤں اور خاک و خون کے سمندروں سے تیر کر اس لیے حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام کے بجائے لینن اور مارکس کا نظام رائج کیا جائے گا؟ اور پاکستان کا بنیادی مقصد یہی تھا جس کا اظہار وزیر محترم فرما رہے ہیں؟ آپ پاکستان کے کسی بھی محبِ وطن اور آزاد شہری سے پوچھ لیں وہ اس ناپاک تصور کی نفی کرتے ہوئے آپ کو یقیناً یہی جواب دے گا کہ پاکستان اسلام اور صرف اسلام کے نفاذ کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا۔

● اسلامی نظام کے اجراء و نفاذ کا یہی وہ مقدس پروگرام تھا جس کی سربلندی کا خوش کن نعرہ لیڈرانِ قوم کی زبان سے سن کر قیامِ پاکستان کے لیے لاتعداد فرزندانِ اسلام تحریکِ پاکستان کے کارکن بنے، لاکھوں نوجوان حریت و آزادی کی اس جنگ میں موت سے ہم آغوش ہو گئے، ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، بہنوں کے جواں سال بھائی کٹ مرے۔ بیٹیوں کے سہاگ لٹ گئے، ضعیفوں اور بے کسوں کے سہارے چھن گئے اور بوڑھوں کی لاٹھیاں ٹوٹ گئیں، ماؤں کے جگر گوشے شعلوں اور شراروں کی نذر ہو گئے۔ ہر جوان کی پگڑی اور ہر خاتون کا آنچل آزادی کا پھریرا بن گیا۔ اس طرح آزادی کے پروانے جلتے اور بھسم ہوتے رہے لیکن آزادی کی مشعل کو آخر دم تک اپنے خون سے فروزاں کیے رکھا۔ حتیٰ کہ جسم و جان سے گزر کر عزت و آبرو اور عصمت و عفت کی بھی ان کو قربانیاں دینی پڑیں!

● مسلمانوں نے لوہے کی زنجیروں، بندوقوں کی سنگینوں، تیغ و خنجر کی دھاروں، جیل خانوں کی کوٹھڑیوں، ظلم و ستم اور جور و استبداد کی آندھیوں، تشدد و بربریت کی وحشتوں، آزمائش و آلام کی بجلیوں، قتل کی بیدردیوں، دار و رسن کی سختیوں، عقوبت خانوں کی ویرانیوں، موت کے تختوں

اور پھانسی کے پھندوں کو صرف اس لیے چوما تھا کہ ہماری منزل پاکستان اور پاکستان کا مقصد اسلام ہے۔

• لیکن بدقسمتی سے پاکستان بننے کے بعد زمامِ کار ایسے مسخروں کے ہاتھ میں آ گئی جو انگریز کی زلّہ ربائی میں اُفتادہ تھے اور جن کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے قاتل اور جمہوریت کی لاشں کو روندنے والے صلیب پرست کے نمک خوار تھے۔

اب پاکستان میں ایسے ہی لوگوں کو سوشلزم کا عجوبہ مل گیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ "سوشلزم پاکستان کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے نام سے اس طبقہ کو اپنے روحانی پیشوا برطانوی استعمار سے بھی زیادہ عناد ہے۔

• کیونکہ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہونے میں موجودہ بیوروکریسی کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ اپنی ملحدانہ تعلیم اور ابلہانہ تہذیب کا گلا گھٹتا نظر آتا ہے، معصیات و منکرات کا جنازہ اٹھتا نظر آتا ہے اور اپنی اُن خرافات و لغویات کے لیے خطرہ نظر آتا ہے جن کے وہ دلدادہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ پاکستان میں قرآن و سنّت کا قانون جاری ہونے کے بعد ان کی عیاشی باقی نہیں رہ سکتی، مکر و تلبیس کے دام باقی نہیں رہ سکتے "عوامی" قتل و غارت اور ظلم و ستم جاری نہیں رہ سکتے، عوامی مارشل لاء اور عوامی قید خانے باقی نہیں رہ سکتے۔ اُدھر تم اِدھر ہم کے نعرے' قذافی سٹیڈیم' اقبال پارک کی گالیوں، ڈھول ڈھپوں اور خرمستیوں کی آزادی باقی نہیں رہ سکتی، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے پردے میں عالمی مہنگائی کی دہائی اور اپنی ہی قوم کی تباہی جاری نہیں رہ سکتی۔ قانونی حکومتوں کا تختہ الٹ کر قوم پر فسطائی لٹیروں کو مسلط کرنے کے ظالمانہ اور جابرانہ ہتھکنڈے باقی نہیں رہ سکتے کاک ٹیل پارٹیاں اور شراب و کباب کی بدمستیاں جاری نہیں رہ سکتیں۔ عیش و طرب کی رنگ رلیاں، مینا بازاروں کی جلوہ ریزیاں اور عشوہ طرازیاں جاری نہیں رہ سکتیں، طاؤس و رباب کی مدہوشی اور جام و سبو کے شعلے جاری نہیں رہ سکتے، زنا و بے حیائی کی روانی اور رسیفاؤں کی عریانی باقی نہیں رہ سکتی۔ حوّا کی بیٹیوں کو سڑکوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں لا کر ذریعہ تفریح نہیں بنایا جا سکتا اور ان سے مارچ پاسٹ کرا کر سلامیاں نہیں لی جا سکتیں۔

الغرض اسلام کی موجودگی پاکستان کو لندن و پیرس کی طرز کا عیاشی کا ایک اڈہ نہیں بنایا جا سکتا۔

لائل پور کا سرکاری گماشتہ

• موچی دروازہ لاہور کے متحارب جلسہ اور متصادم نعروں کے درمیان اعلان کے مطابق خان اعظم صاحب تو تشریف نہیں لا سکے لیکن ظلم و ستم کے مارے بپھرے ہوئے عوام نے ان کے ایک ہمشکل کی اینٹوں اور پتھروں سے تواضع کرتے ہوئے کار کا بغلی شیشہ توڑ دیا۔ یہ بدقسمت انسان خدا جانے کون تھا اور کہاں گیا؟

البتہ خان صاحب کا یہ عذر' عذرِ لنگ ہے کہ میرا یہاں آنا ضروری نہیں تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر انہوں نے ڈسکہ کا جلسہ کیوں ملتوی فرمایا اور اگر جلسہ کرانے والے افراد نے اُن سے CONFORM نہیں کیا تھا تو انہوں نے تردید کی زحمت پہلے ہی کیوں نہ فرما دی۔

اس جلسہ میں لائلپور کے ایک سرکاری گماشتہ نے قائدِ جمعیت مولانا مفتی محمود کے خلاف جو "عوامی" ترانہ گایا ہے اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص عیاشی کا مرقع، گناہ کی دستاویز اور معصیت کا غبارِ نیم شب بن جائے تو اس کا حدود اربعہ ناپا جا سکتا ہے لیکن خدام الدین کا تقدس اور اکابرین جمعیت کی روایتی بردباری ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی اور ویسے بھی جس شخص کو مولانا کا الف بھی اٹھانا نہ آتا ہو اس کا تذکرہ کرنا خدام الدین کے شایانِ شان نہیں ہے

خدا رکھے میرے ضبط و تحمّل کے تسلسل کو
یہ رشتہ ٹوٹ جانے سے وفا بدنام ہوتی ہے

قادیانی عرس اور عذابِ الٰہی کی پہلی قسط

پاکستان نیشنل اسمبلی کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلہ کے بعد بھی ان کو اسلام کے نام پر کفر کی تبلیغ کی اجازت دینا خدا و رسولؐ کے غضب کو دعوت دینے سے کم نہیں۔ ادھر قادیانیوں کا سالانہ

(باقی صفحہ ۹ پر)

خطبہ جمعہ
۲۷ دسمبر ۱۹۷۴ء
مرتب
عبدالرشید انصاری

اسوۂ ابراہیمی

• ظلم و ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا ہر داعی کا فریضہ ہے!

• دعوتِ حق کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور ایوانہائے سلطنت تک پہنچا دو۔

• فتح بالآخر سچائی اور انصاف کے حامیوں کے لیے ہے۔ اہلِ باطل خواہ کتنے ہی طاقتور ہوں۔

جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سورۂ ابراہیم آیت ۳۵-۳۶)

اے پروردگار! اس سرزمین (مکہ) کو جائے امن بنائے رکھ اور مجھے اور میری اولاد کو اصنام پرستی سے بچائے رکھ۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو بہکایا۔ پس جو میری اتباع کرے گا وہ میرا ہے اور جو میری پیروی نہ کرے۔ پھر بلاشبہ بخشنے والا، رحم کرنے والا تو ہی ہے۔

ذی الحجہ کا مہینہ اور عیدالاضحیٰ کے یہ دن امتِ مسلمہ کے لیے اپنے پہلو میں ایک خصوصی جاذبیت رکھتے ہیں۔ ان مقدس ایام میں صاحبِ استطاعت افراد فریضۂ حج ادا کرکے یا دنبوں، مینڈھوں اور دوسرے جانوروں کو ذبح کرکے اس سنت کو ہر سال تازہ کرتے ہیں۔ جو ہمیں اسوۂ ابراہیمی میں نمایاں نظر آتی ہے۔

حجاج کرام کا صفا مروہ کی پہاڑیوں میں یہ دوڑنا، عرفات و منیٰ میں ٹھہرنا اور خدا کے گھر کے اردگرد دیوانہ وار چکر لگانا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانیاں پیش کرنا یہ ان عظیم ہستیوں کے اعمال حسنہ کی نقل ہے جنھوں نے خدا کی مخلوق کو اصنام پرستی، کواکب پرستی، شرک و کفر اور معصیت و نافرمانی کی دہکتی ہوئی آگ سے نکال کر نجات کا راستہ دکھایا لیکن دنیا نے خدا کے اس جلیل القدر پیغمبر کو آگ میں ڈال دیا۔ اور آگ نے اپنے رب کے حکم سے اپنا عمل چھوڑ دیا۔ اور ایسی ٹھنڈی ہو گئی کہ اس کی ٹھنڈک میں بھی ایسی شدت نہ آئی جس کا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو کسی ہلکی سی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسے حکم ربی تھا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ (اے آگ! ٹھنڈی ہو کر ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا)۔

آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے ملک عراق اپنے وقت کا انتہائی متمدن اور ترقی یافتہ خطہ تھا۔ عراقی قوم صنعت و حرفت اور معاشرت و تہذیب کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی، کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ شہروں اور قصبات میں خوبصورت باغات تعمیرات اور ذرائع نقل و حمل کا ایک خاطر خواہ سلسلہ قائم تھا اور یہ تاریخی حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ وسائل تعیش کی فراوانی اقوام عالم کو بسا اوقات ظلم و ناانصافی اور معصیت و گمراہی میں ڈال چکی ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔

اور مادی وسائل سے مالا مال یہ عراقی قوم بھی سرکش تھی جہاں وہ کواکب پرستی اور پرستی کی گمراہیوں میں غرق تھی وہیں بڑوں اور بالادستوں کی پرستش اور کمزوروں اور زیردستوں پر جور و ستم ڈھانا اس کا شیوہ بن گیا تھا۔ بے کس لاچار اور مجبور و مقلوک الحال

طبقہ کو نجات دلانے اور شرک و کفر کی تمام قوتوں کو شکست دینے کے لیے خدائے علیم و خبیر نے اسی قوم میں سے ایک عظیم انسان کے سر پر نبوت و رسالت کا تاج رکھ دیا۔ اس برگزیدہ ہستی کو دنیا جد الانبیاء اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام و نبیّنا کے نام نامی سے آج تک یاد کرتی ہے۔

قرآن حکیم نے اسوۂ ابراہیمی کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن حکیم کی ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ ابراہیمؑ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعوت توحید کو کس حسین اور دلنشین انداز میں قوم کے سامنے پیش کیا؟ اس کا تذکرہ سورۂ ابراہیمؑ میں تفصیلاً موجود ہے — قرآن حکیم نے نوع انسانی کو دعوت الہٰی کے اس مقدس واقعہ کی یاد دلاتے ہوئے حکم دیا کہ :-

"یاد کرو اس وقت کو جب انہوں نے (حضرت ابراہیمؑ نے) اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ پتھر کی مورتیں جن کی تم پرستش پر جمے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے کہ اپنے بڑوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھتے آتے ہیں پس حضرت ابراہیم نے کہا یقیناً تم اور تمہارے بڑے دونوں صریح گمراہی میں پڑے رہے۔ اس پر انہوں نے کہا یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا واقعی یہ تمہارا حقیقی خیال ہے یا محض دل لگی کر رہے ہو؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ کہ دل لگی کی اس میں کیا بات ہے؟ یہ تو اصل حقیقت ہے کہ وہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا وہی تمہارا بھی پروردگار ہے۔ اور میں اپنی بصیرت اور یقین سے اس پر شہادت دیتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت ابراہیمؑ نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں بخدا ضرور بالضرور تمہارے جانے کے بعد تمہارے معبودوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ لوگوں کے چلے جانے کے بعد بت خانے میں گئے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ جب لوگ آئے اور یہ حال دیکھا تو لگے آپس میں کہنے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے یہ گستاخی کی ؟ جس شخص نے ایسا کیا یقیناً وہ بڑا ظالم تھا۔ اس پر بعضوں نے کہا کہ وہ نوجوان جسے ابراہیمؑ کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ ان بتوں سے متعلق بات کر رہا تھا، ہو نہ ہو یہ اسی کی کارروائی ہے۔ لوگوں نے شور مچایا کہ اس کو یہاں سب کے سامنے پکڑ کے حاضر کرو تاکہ جو کچھ سوال و جواب ہو اس کے لوگ گواہ رہیں — چنانچہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کو لے آئے اور پوچھنے لگے کہ اے ابراہیمؑ! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تو نے کی ہے؟ آپ نے الزاماً جواب میں فرمایا (مجھ سے کیوں پوچھتے ہو) یہ بت جو سب سے بڑا ہے اس نے کی ہوگی۔ انہی (اپنے خداؤں) سے پوچھو، اگر وہ جواب دے سکتے ہیں۔ اس دندان شکن جواب کو سن کر سب کے سب ششدر رہ گئے اور اپنے دل میں اپنی گمراہی کے قائل ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ سچ ہے "تم ہی برسرِ ناحق ہو!" مگر باایں ہمہ سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اسی لیے پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے منہ گمراہی میں دھکیل دیے گئے اور حضرت ابراہیمؑ سے کہنے لگے کہ یہ تم نے کیا کہا۔ تم کو تو معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے"

(اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو خود ہی مجبور محض ہیں، نہ کسی کو کچھ نفع پہنچائیں اور نہ نقصان افسوس ہے تم پر اور تمہاری ان چیزوں پر جن کو خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ یہ کیا ہے کہ ایسی ظاہر اور کھلی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

جب وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے عاجز آ گئے اور کچھ نہ کر سکے تو غیض و غضب سے پاگل ہو کر آپس میں شور مچانے لگے کہ بس اگر کچھ کرنا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ اس بے باک شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ اور اس طرح اپنے معبودوں کی حمایت کرو۔

(اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں) جبکہ وہ یہ تدبیریں کر رہے تھے تو ہم بھی اپنی تدبیروں سے غافل نہ تھے۔ ہم نے اپنی قدرت کا اعجاز دکھلایا اور کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی۔

لوگوں نے ہمارے داعی الی الحق کو نقصان پہنچانا چاہا تھا پر ہم نے ان کو ناکام و خاسر بنا دیا"۔

یہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا وہ خصوصی واقعہ جو دعوتِ توحید اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی راہ میں سنگ میل ہے لیکن یہ بہت افسوس کا مقام ہے کہ اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے پڑھا اور سنا جاتا ہے حالانکہ سب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ کتاب الٰہی قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ اس کی ہر آیت اور ہر بات میں ماننے والوں کے لیے ایک سبق ہے۔

امتِ مسلمہ کے لیے اور خصوصاً اس گروہ کے لیے جو دعوت الی الحق کا فریضہ انجام دے رہا ہے اس کے لیے اسوۂ ابراہیمی میں یہ نصیحت اور موعظت ہے کہ دعوت الی الحق کا آغاز اپنے گھر سے اور اعزہ و اقارب سے کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے اپنے والد کے سامنے دعوتِ توحید پیش کی۔ اور جب اس سچائی کا چرچا عام ہو گیا اور حق کی آواز سلطنت کے ایوانوں اور مذہبی اجارہ داروں کے مفادات سے ٹکرانے لگی تو داعیٔ الی الحق سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تن تنہا تمام جابر و ظالم قوتوں کا مقابلہ کیا۔

صداقت اور سچائی بہرحال اپنے اندر خود کو تسلیم کروانے کی طاقت رکھتی ہے لیکن اہل باطل محض اپنے مفادات اور چودراہٹ کو برقرار رکھنے کے لیے اسے قبول نہیں کرتے۔ ظلم و ناانصافی خصوصاً جب بندوں اور الٰہ العالمین کے حقوق غارت کیے جا رہے ہوں تو صدائے احتجاج بلند کرنا ہر داعی الی الحق کا فرض منصبی ہے ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی بڑی جماعت بھی ہو۔

جھوٹ اور ظلم کے مقابلہ میں سچائی اور انصاف کی حامی قوتوں کو بالآخر فتح ہوتی ہے۔ اہلِ باطل خواہ طاقت اور دولت و اقتدار کے ہتھیاروں سے ہی مسلح کیوں نہ ہوں۔

یہ تھے حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے حکم الٰہی پر اپنے اہل خانہ اور معصوم لختِ جگر کو بے آب و گیاہ وادی مکہ میں بسایا کہ جہاں زندگی اس قدر ناپید تھی کہ وہاں کوئی پرندہ اپنا آشیانہ اور کوئی درندہ اپنا بھٹ بنانے پر آمادہ نہ ہوتا تھا لیکن سیدنا ابراہیمؑ نے حکم الٰہی ملنے پر اپنے گھرانے کو اسی جگہ بسایا اور مکان و مکین کے لیے ہدایت و خیر و برکت کی دعا فرمائی اور اعلان کر دیا کہ جو میری اتباع کرے گا صرف وہ میرا ہے جس نے میرے بتلائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر شیطان کی راہ اختیار کی۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اے اللہ! تو غفور و رحیم ہے چاہے تو اسے معاف کر دے۔ اس کا معاملہ تیرے ہی اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کو سمجھنے اور انبیاء کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: شذرات

عرس ہوا اور ادھر پاکستان کے سرحدی علاقوں میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ برصغیر کی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے حقیقت یہ ہے کہ خدا اور اس کے پیارے رسولؐ سے بغاوت کے نتیجہ میں مسلمانانِ پاکستان پر یہ عذاب الٰہی کی پہلی قسط ہے۔ اہلِ پاکستان کی اس کے بعد ضرور آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ جمعیۃ علماء اسلام صوبہ پنجاب کے قائد جانشینِ شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور نے اس موقع پر عوام اور کارکنانِ جمعیت علماء اسلام کے نام اپنے ایک پیغام میں سوات کے حادثے پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا قومی المیہ ہے جس میں ہزاروں پاکستانی قدرتی آفت کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قدرت بسا اوقات نسلِ انسانی کو راہِ حق سے بھٹک جانے پر ایسے حادثات کے ذریعہ تنبیہ کرتی ہے۔ ہمیں اس عظیم قومی حادثے پر محض رنج و غم کا اظہار کرنے کی بجائے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ یہ المیہ کہیں ہماری بداعمالیوں اور راہِ حق سے انحراف کا شاخسانہ تو نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسلامی نظامِ زندگی کو پوری طرح اپنانے کا عہد کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد اور دوبارہ آباد کاری کے پروگرام اور نظام سے بھرپور تعاون کرنا چاہیے۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی اور جماعتی کارکنوں کو ہدایت کی کہ امدادی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ (اختر کاشمیری)

روٹی کپڑا اور مکان دینے والوں نے عوام کی ہر سہولت چھین کر گالی، گولی اور غنڈہ گردی کو فروغ دیا ہے

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ظفر علی خاں کے جانشین

آمریت کے بت کو پاش پاش کر دیں گے

پاکستان کے بنیادی مقصد سے انحراف کی روش ترک کر کے ملک میں اسلامی قانون نافذ کیا جائے

اور شہدائے ختم نبوت کا خون بہانے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

لاہور کے تاریخی اجتماع میں جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور کا ولولہ انگیز خطاب ——— مرتب: اختر کاشمیری

خواجہ محمد رفیق شہید کی دوسری برسی کے موقع پر موچی دروازہ لاہور کے تاریخی اجتماع سے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور نے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ آج کا ہمارا یہ اجتماع اسلامی اور جمہوری قدروں کے احیاء کے لیے منعقد ہوا ہے اور ہم ان تمام مجاہدین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے شعائر اسلامی کے نفاذ اور بحالی جمہوریت کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

مولانا نے فرمایا کہ مولانا شمس الدین اور خواجہ رفیق کی شہادت، جاوید نذیر اور دوسرے سیاسی لیڈروں اور ورکروں کے سفاکانہ اور بہیمانہ قتل ایک ہی اسلام اور جمہوریت کش طاقت کے ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ لیکن اب عوام بیدار ہو چکے ہیں اور یہ آمریت کے منحوس دیو کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رہنے دیں گے۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ روٹی، کپڑا، مکان دینے والوں نے عوام کی ہر سہولت کو چھین کر گالی، گولی اور غنڈہ گردی کو فروغ دیا ہے اور ان شہداء کے قاتل کھلم کھلا دندناتے پھر رہے ہیں اور حکمرانوں نے ان کے خونِ ناحق پر ایک ناقابلِ فہم خاموشی اختیار کر رکھی ہے کیونکہ قاتل بھی وہی، شاہد بھی وہی اور منصف بھی ہیں ؎

وہی قاتل، وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

مولانا نے مزید فرمایا کہ موچی دروازہ پاکستان کا قلب ہے اور اس میں آکر ہمارے اسلاف امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ نے کئی برس تک لوگوں کے قلب و جگر کو گرمایا اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا ہے۔ ان مجاہدینِ حریت و آزادی اور محافظین ملک و ملت کے نقش قدم پر چلنے والے کسی فردِ واحد کی آمریت کو برداشت نہیں کریں گے۔

قائدِ جمعیت نے مزید کہا کہ برسرِ اقتدار ٹولہ انتخابات سے کتراتا رہا ہے۔ اس لیے عوام کو محاسبہ کے لیے تیار رہنا چاہیے اور جب تک پاکستان کے بنیادی مقصد سے انحراف کی روش کو ترک کر کے ملک میں قرآن و سنت کا قانون جاری نہیں کیا جائے گا پاکستان خوشحالی و ترقی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا۔

ایوب اور یحییٰ خان نے اسلام سے انحراف کر کے جس ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا اس کے نتیجہ میں ملک بھی دولخت ہو گیا اور وہ خود بھی ذلیل ہو گئے اور ان کے بعد آنے والے ان کے جانشین اور نام نہاد عوامی رہنماؤں نے عوامی مارشل لاء لگا کر ملک کی سالمیت کو

(باقی صفحہ پر)

تاریخی ڈائری

اختر کاشمیری

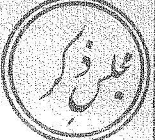
قسط (۱)

علامہ ذہبیؒ نے اپنے اپنے فن کے ماہرین کے نام درج کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔
نسب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ احکام الٰہی کو قوت سے نافذ کرنے میں عمر بن خطابؓ، شرم و حیاء میں عثمان بن عفانؓ، مقدمات کے فیصلے کرنے میں حضرت علیؓ، قرأت میں ابی ابن کعبؓ، فن وراثت میں زید ابن ثابتؓ، امانت میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، تفسیر میں ابن عباسؓ، صدق بیانی میں ابوذرؓ، بہادری میں خالد بن ولیدؓ، فصیحت میں حسن بصریؒ، قصص میں وہب بن منبہؒ، تعبیر میں ابن سیرینؒ، فقہ میں امام ابو حنیفہؒ، مغازی میں ابن اسحاقؒ، حقائق کی تصریح میں مقاتل، قصص قرآن میں کلبیؒ، علم و عروض میں خلیلؒ، عبادت میں فضیل بن عیاض، علم نحو میں امام سیبویہؒ، علم میں امام مالکؒ، تفہیم حدیث میں امام شافعیؒ، غرابت لفظی میں ابو عبیدؒ، اسباب و علل میں علی بن مدینیؒ، اسماء الرجال میں یحییٰ بن معینؒ، شاعری میں ابو تمامؒ، سنتِ نبویؐ میں امام احمد بن حنبلؒ، حدیث کی جانچ پڑتال میں امام بخاریؒ، علمِ تصوف میں جنیدؒ، گوشہ نشینی میں جبائیؒ، علمِ کلام میں اشعریؒ، علم طب میں محمد بن زکریا رازیؒ، علمِ نجوم میں ابو معشر، تعبیر میں ابراہیم کرمانی، خطابت میں ابن نباتہ، سوال و جواب میں ابوالفرج اصبہانیؒ، عوالی و عالیات میں ابوالقاسم طبریؒ، ظواہر میں ابن حزمؒ، جھوٹ میں ابوالحسن بکری، مقامات اور مختصر جملے لکھنے میں علامہ حریری، جلد سفر کرنے میں ابن مندہ، شاعری میں متنبی، گانے میں موصلی، شطرنج میں صولی، تیز قرأت کرنے والوں میں خطیب بغدادیؒ، فنِ خطاطی میں علی بن ہلالؒ، خوف میں عطاء سلیمی، فنِ انشاء میں قاضی فاضلؒ، نوادرات میں اصمعیؒ، لالچ میں اشعب، غنا میں معبد، فلسفہ میں شیخ بو علی سیناؒ۔

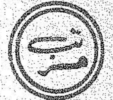
دیگر

تصوف میں بایزیدؒ، فقر میں ابوہریرہؓ، سادگی میں اصحاب صُفّہ، ریاضت میں ابوذر غفاریؓ، حکمت میں لقمانؑ، دانش میں ارسطو، ذہانت میں فیضی، قوتِ حافظہ میں ابن حجر عسقلانیؒ، سخاوت میں حاتم، دبدبہ میں سکندر، علم و فضل میں غزالیؒ، علوم کی مہارت میں ابن تیمیہؒ، فہم و ذکاوت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

○



۲۶ دسمبر ۱۹۷۴ء



عبد الرشید انصاری

ذکر الٰہی

فرائض شرعیہ کی ادائیگی
کے بعد نجات کے لیے کافی
ہے کہ انسان کی زبان
ہمہ وقت یاد الٰہی سے تر رہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الذین اٰمنوا اشد حبا للہ

(بقرہ رکوع ۲۰)

مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے دل میں سب سے زیادہ اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے اور پھر اللہ رب العزت کے احسانات انعامات، دنیا میں مختلف قسم کے حادثات و واقعات اور ان کی ہمہ گیری کے سامنے اپنی لاچاری و عاجزی۔ اور پھر کائنات کی صناعی کے مطالعہ سے اور خود اپنے وجود کی ساخت میں غور و فکر سے ذات الٰہی کی قدرت کاملہ اور خالقیت کبریٰ پر یقین میں روز بروز پختگی آتی رہتی ہے اور اس محبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق و فی
انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق

حٰم سجدہ (رکوع ۶)

یعنی ہم انسان کو اپنی قدرت کی نشانیاں کائنات ارضی و سماوی میں اور خود ان کے وجود کے اندر دکھاتے رہیں گے، حتیٰ کہ اس پر اچھی طرح ظاہر ہو جائے کہ بے شک اللہ اور اس کا قانون قدرت وہ حقیقت ہے، جس کے منکر سراسر جہالت و نادانی میں مبتلا ہیں۔ بہر کیف مومن سب سے زیادہ محبت اپنے خالق حقیقی سے کرتا ہے اور جس سے محبت ہو اس کی یادیں ہر وقت انسان کے دل و دماغ کو اپنی آغوش میں رکھا کرتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مومن کی زبان اور اس کا دل ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و توصیف کے زمزموں میں محو ہیں۔ حدیث میں ہے ایک سائل نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے اچھا کون ہے آپ نے فرمایا وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں پھر سائل نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ — ان

تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ

(رواہ الترمذی)

یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور تمہاری اللہ ذکر سے تر ہو۔

اور یہ اسی وقت ہو سکتا جب محبت الٰہی کے مقابلہ میں کسی اور کے لیے دل میں جگہ نہ ہو اور بندہ اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کرے اور ذکر الٰہی اس کی روحانی غذا بن جائے اسی طرح ایک اور واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! نیکی اور ثواب کے کام بہت ہیں اور یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ میں ان سب کو بجا لاؤں لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں اور پھر اس پہ کاربند رہوں (اور بس وہی میرے لئے کافی ہو جائے) اس کے ساتھ یہ بھی گذارش ہے کہ جو کچھ آپ بتائیں وہ بہت زیادہ بھی نہ ہو کیوں کہ خطرہ ہے کہ میں اسے یاد نہ رکھ سکوں۔

آپ نے فرمایا لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ (رواہ الترمذی)

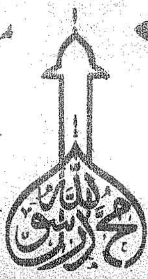
(بس اس بات کا اہتمام کرو اور کوشش کرو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔)

مطلب یہ ہے کہ دینی فرائض اور حقوق العباد کی ادائیگی کے بعد تمہاری نجات اور فلاح و کامرانی کے لئے یہی کافی ہے کہ تمہاری زبان ہر وقت یاد الٰہی سے تر رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی یاد اور اپنے پاک نام کے ذکر کی لذتوں سے بہرہ ور فرمائے اور اعمال صالحہ کی انجام دہی کی توفیق بخشے

(آمین ثم آمین)



قادیانی مسئلہ



مستقبل کے اندیشے
— اور —
ان کا حل



محترم المقام زید مجدکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ قادیانی مسئلہ کا بہترین حل تاریخ اسلامی کا ایک زرّیں حصّہ بن چکا ہے جن لوگوں نے جس درجہ میں بھی اس جہاد میں حصہ لیا۔ انشاء اللہ یہ چیز ان کے لیے بارگاہ ایزدی اور بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشنودی اور سرخروئی کا باعث بنے گی۔ قادیانی فیصلہ آقائے مدینہ کے ہر نام لیوا کے لیے بے پناہ جذبات اور مسرّتوں کا باعث بنا۔ الحق اس موقع پر زیر ترتیب شمارہ میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ملّتِ اسلامیہ کے ایسے جذبات، احساسات کا ایک حسین گلدستہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ آپ بھی اپنی استطاعت کے مطابق اس جہاد میں شریک رہے ہیں۔ اس لیے ملّت محمدیہ کے ایک نامور فرزند اور ایک دردمند خادم کی حیثیت سے اس گلدستہ میں چند پھول شامل کرنے کے لیے حسب ذیل سوالات کا جواب ایک یا دو صفحوں میں (یا چند سطروں ہی میں) اوّلین فرصت میں ارسال فرمائیے،

- ○ قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات، جذبات اور تاثرات کیا ہیں؟
- ○ قادیانی فتنہ کے دینی اور سیاسی اثرات ملک و بیرون ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں؟
- ○ اقلیتوں کے تحفظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کیا مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہو گئی؟
- ○ یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب و احتساب جاری رکھنا ہوگا؟
- ○ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا طریق کار اور لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ (سمیع الحق، ایڈیٹر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک)

مکرمی و محترمی! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ موصول ہوا لیکن افسوس کہ بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے آپ کی خواہش کے مطابق فوری جواب نہ دے سکا امید ہے معذرت قبول فرمائیں گے۔ آپ کے سوالات کافی تفصیل طلب ہیں تاہم آپ کے شدید اصرار اور تقاضے کے پیشِ نظر فوری طور پر مختصر جوابات تحریر کر رہا ہوں۔

آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ "قادیانی مسئلہ کے حل پر آپ کے احساسات و جذبات اور تاثرات کیا ہیں؟"

۱۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کی نیشنل اسمبلی کے اس فیصلے پر مجھے اسی طرح خوشی اور مسرت ہوئی ہے جس طرح تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو ہے لیکن میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوں! میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی ہمارے کام کی ابتدا ہے اور عالم اسلام کے مسلمانوں کو عموماً اور پاکستان کے مسلمانوں کو خصوصاً اب بھی اسی اتحاد اور یک جہتی کی ضرورت ہے جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے تحریک ختم نبوّت کے دوران کیا ہے۔ میری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ ہمیں جو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد، اجتماعی فکر، بے لوث اور پُرخلوص جدوجہد، پُرامن، پائمار لگن اور مشترکہ پلیٹ فارم کی رہین منّت ہے۔

اگر خدانخواستہ ہم نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر انداز کر دیا تو ہمارا انتہائی خطرناک، ہشیار اور عیار دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے

عظیم اسلاف کی عظیم قربانیوں، ہماری بے مایہ کوششوں اور ہمارے مجاہدین ختم نبوت کے خون شہادت کو بے نتیجہ بنانے کی کوشش کرے گا۔

۲۔ میرا خیال ہے کہ قادیانی فتنہ کے "دینی" یا سیاسی اثرات عالمگیر نہیں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری غفلت شعاری کی بدولت قادیانیوں نے بعض ممالک میں کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کے تاریخ ساز فیصلہ کے بعد اندرونِ ملک اور بیرون ملک ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے مگر ابھی ضرب صدیقی کی شدید ضرورت ہے تاکہ ان کی رہی سہی قوت کو بھی توڑا جا سکے۔

۳۔ مسلمانوں کی ذمہ داری کسی فتنہ کی عارضی اور وقتی بیخ کنی تک محدود نہیں جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ایثار و لگن، کوشش و سعی اور اتحادِ فکر و عمل کی انتہائی ضرورت ہے۔ ذمہ داری اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک فتنہ کا نام و نشان باقی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کے بعد بھی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی کیونکہ مسلمان اسلام کا محافظ ہے اور محافظ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے خواہ امن ہو یا جنگ، دشمن اور ڈاکو کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب حملہ آور ہو گا؟ اس لیے ذمہ داری ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ آپ کے چوتھے سوال کا جواب میرے مذکورہ جوابات کے ضمن میں آ گیا ہے۔

۵۔ اب رہا یہ سوال کہ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ تو گزارش یہ ہے کہ نیشنل اسمبلی کے فیصلے کے بعد ذمہ داریاں عوامی سطح سے بڑھ کر حکومتی سطح تک پھیل جاتی ہیں۔

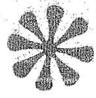
عوام کا کام یہ ہے کہ وہ اس تحریک کو پُرامن رہتے ہوئے اپنے آخری اور منطقی نتائج تک پہنچانے کے لیے ہر قسم کی مالی، جانی اور زبانی قربانیوں کو جاری رکھیں۔ علماء، طلباء اور سیاسی زعماء سستانے کے بجائے کامیابی کے آخری مراحل تک پیش قدمی جاری رکھیں اور حصول مقصد کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو دُور کرنے کے لیے اجتماعی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو نہ صرف یہ کہ قائم رکھا جائے بلکہ مزید فعال بنایا جائے اور اس کی بیرون ملک میں شاخیں قائم کی جائیں اور ان ممالک میں جہاں قادیانی زہر سرایت کر چکا ہے وہاں تبلیغی مشن بھیجے جائیں جو وہاں کے لوگوں کو قادیانی فتنہ کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور عالم اسلام کے متعلق خطرناک عزائم سے آگاہ کریں۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ سفارتی سطح پر تمام دوست ممالک کو اس خطرناک تحریک کے نتائج و عواقب اور مضمرات سے باخبر کرے اور تمام اسلامی ممالک سے سفارش کرے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور قادیانیوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں۔

اندرون ملک حکومت کی سب سے اہم اور پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قادیانیوں کی کافرانہ تبلیغ کا سدِباب کرے، ان کو شعائر اسلامی اور اصطلاحات اسلامی کے استعمال سے روک دے اور ان کے زہریلے اور مہلک لٹریچر کو ضبط کر کے علماء کا ایک بورڈ بنائے جو قادیانیوں کے لٹریچر کے فاسد اثرات کو ختم کرنے کے لیے عوام کے لیے اسلامی تعلیمات کا حامل لٹریچر تیار کرے اور اس لٹریچر کو شائع کر کے اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجا جائے۔

اس کے علاوہ دستور میں جہاں یہ درج ہے کہ "ایک مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم مندرجہ آئین پاکستان دفعہ ۲۶۰ شق نمبر ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان یا اس کے خلاف تبلیغ کرے وہ قابل سزا و تعزیر ہو گا۔ اس میں "ایک مسلمان" کی جگہ "جو شخص" کا لفظ درج کیا جائے۔ کیونکہ ایک مسلمان کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ایسے لغو اور بیہودہ عقیدے کا اعلان یا پرچار کرے گا۔ "جو شخص" کا لفظ چونکہ عام ہے اس لئے اس کی موجودگی میں اگر کوئی مدعی اسلام یا کوئی جدید مرتد ایسا کرے گا تو موجب سزا و تعزیر ہو گا۔

قربانی کا تاریخی پس منظر



قسط ۱

مولانا محمد اجمل خان

مولانا محمد اجمل خان صاحب کا یہ علمی اور تحقیقی مضمون دیر سے موصول ہوا اس لیے عید قربان کے موقع پر شائع نہیں ہو سکا۔ یہ مضمون اپنی افادیت کے لحاظ سے اس قدر اہم ہے کہ اہل علم ہر وقت اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا ادارہ خدام الدین اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے شائع کر رہا ہے۔ (ادارہ)

اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب اور محبوب بندوں کے ساتھ معاملہ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا اور قدم قدم پر جاں سپاری و جاں نثاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے اس لیے ان کو بھی مختلف آزمائشوں سے دو چار ہونا پڑا اور اپنی جلالت قدر کے لحاظ سے ہر امتحان میں کامیاب و کامران ثابت ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے باپ آذر کو اسلام کی تلقین کی، پیغام حق سنایا، راہِ مستقیم دکھائی، مگر باپ پر بالکل اثر نہ ہوا اور اس کے برعکس باپ نے بیٹے کو دھمکایا کہ اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہ آئے گا تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اخلاق کریمانہ کے ساتھ جواب دیا۔ اے باپ! میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں آج تجھ سے جدا ہوتا ہوں۔ اچھا میرا سلام قبول ہو (مریم)

باپ اور بیٹے کے درمیان جب نفاق کی کوئی صورت نہ بنی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعوت وارشاد کا دائرہ وسیع کر دیا۔ اور اب پوری قوم کو مخاطب بنا لیا مگر قوم بت پرستی اور اور کواکب پرستی کب چھوڑنے والی تھی ان کا تو یہ عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت و حیات، نفع و ضرر، فتح و ظفر، خوشی و غمی غرض تمام کارخانہ عالم کا نظام اجرام و کواکب کی تاثیر سے چل رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی پوری کوشش کی لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ انکار بڑھتا چلا گیا صدائے حق کو قبول کرنے کے بجائے جھگڑنے اور اپنے معبودانِ باطل سے ڈرانے لگے۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے خداؤں اور دیوتاؤں سے بالکل نہیں ڈرتا میں ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو بالکل مہلت نہ دیں اپنی حسرت نکال لیں میں تو صرف اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں جو میرا خالق، مالک اور رازق ہے اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں، تو مجھ کو شفا بخشتا ہے اور جو میری موت و حیات کا مالک ہے، سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اب مجھ کو دعوت حق کا ایسا پہلو اختیار کرنا چاہیے جس سے عوام الناس کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے معبود اور دیوتا صرف پتھروں اور لکڑیوں کی بے جان اندھی بہری اور گونگی مورتیاں ہیں جو اپنے اوپر آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے چہ جائیکہ اپنے پرستاروں اور پجاریوں کو نفع اور اپنے نہ ماننے والوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ آپ نے ان جھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کو تباہ و برباد کرنے کا ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ حسنِ اتفاق سے قوم کا ایک مذہبی میلہ اور قومی تہوار قریب آ گیا۔ ساری قوم اس میں شرکت کے لیے شہر سے باہر چلی گئی۔ آپ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور سب سے بڑے بت خانہ میں جا پہنچے۔ اور طنزیہ لہجہ میں بتوں کو خطاب کر کے کہا۔ یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے

ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔ آخرکار سب معبودوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا۔ اس کے کاندھے پر کلہاڑا رکھ کر واپس چلے آئے۔

ادھر جب لوگ میلے سے واپس آئے تو مندر میں دیوتاؤں کا یہ حال دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟ کسی نے کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیمؑ ہے وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے اور ان کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں بلایا گیا۔ بڑے رعب و داب سے انہوں نے پوچھا۔ کیوں ابراہیمؑ! تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ آپ نے دیکھا کہ اب وہ بہترین موقعہ آ گیا ہے جس کے لیے میں نے یہ تدبیر اختیار کی تھی۔ فرمایا مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہوگا۔ لیجئے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام میں یہ دعویٰ کئے لیتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا۔ اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں اور ریاستوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس لیے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے دیوتاؤں اور معبودوں ہی سے دریافت کر لو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا۔ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟

ابراہیم علیہ السلام کی اس حجت اور دلیل کا ان کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا وہ ندامت میں غرق تھے عاجز و مبہوت تھے۔ بالآخر اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے یہ دیوتا جواب دینے اور بولنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر فاتحانہ انداز میں اعلان فرمایا کہ جب یہ دیوتا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تو پھر عاجز و قاصر، بے کس و بے بس خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے تم کو ڈوب مرنا چاہیے کہ جو مورتی ایک ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے ذرہ برابر نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے ظلم و تشدد پر اتر آئے سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیمؑ کو زندہ آگ میں جلا ڈالیں۔ آخر ظالموں نے جمع ہو کر نہایت اہتمام اور بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو سخت بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر ڈالنے والے خدا نے آگ کو حکم دیا۔

یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء)

اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے نار گلزار بن گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ و سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے۔ ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس صبر اور رضا بہ قضاء الٰہی کا ثبوت دیا اور جس عزم و استقامت اور جرأت و استقلال کو پیش کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

آگ میں ڈالے جانے کے بعد جب اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا تو وہ بھی معمولی امتحان نہ تھا، آزمائش اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ بڑھاپے اور پیری کی تمناؤں کے مرکز، راتوں اور دنوں کی دعاؤں کے ثمر، لخت جگر، نور بصر، رشک قمر اسمٰعیلؑ شیرخوار بچہ کو اور اس کی والدہ ہاجرہؑ کو صرف حکم خداوندی کی تعمیل میں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑتے

ہیں اور پیچھے پھر کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری جوش میں آ جائے اور امتثال امرِ الٰہی میں کوئی لغزش ہو جائے۔ حالانکہ حضرت ہاجرہؑ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں۔ اے میرے خاوند! آپ ہم کو ایسی بے آب و گیاہ سنسان وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ حضرت ہاجرہؑ برابر یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہؑ نے دریافت کیا کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہؑ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور میں اس پر راضی ہوں۔

ان دونوں کٹھن منزلوں کو عبور کرنے کے بعد اب ایک تیسرے امتحان کی تیاری ہے جو پہلے دونوں امتحانوں سے بھی زیادہ مشکل امتحان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "اے ابراہیمؑ! تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے"۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے امرِ الٰہی سمجھ کر تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزو وہ بیٹا تھا (اسمٰعیلؑ) جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اس لیے باپ نے بیٹے کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔ بیٹے نے بلا توقف سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ ابا جان! دیر کیا ہے مالک کا جو حکم ہے کر ڈالیے۔ ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ العزیز آپ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی

اس گفتگو کے بعد باپ بیٹا اپنی قربانی پیش کرنے کے لیے جنگل روانہ ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کی مرضی پا کر مذبوح جانور کی طرح ہاتھ پیر باندھے، چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے فوراً حضرت ابراہیمؑ پر وحی نازل ہوئی۔ "اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا بیشک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اپنے بیٹے کو چھوڑ اور تیرے پاس جو یہ جنتی مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں"۔

ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جھاڑی کے قریب ایک فربہ خوبصورت مینڈھا کھڑا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔

یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ہمیشہ کے لیے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی۔ اور آج بھی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے اور قیامت تک منایا جاتا رہے گا۔

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ تو ظاہر بات ہے کہ ہر قربانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی سی قربانی نہیں ہو سکتی ؎

تیری ذبح ذبحِ عظیم کی ہو مثیل کیونکہ خلوص میں
نہ خلیلؑ کا ہے دل ترا نہ ذبیحؑ کا سا گلا ترا

مضمون نگار حضرات

نوٹ فرمالیں

- اپنا نام اور پتہ مکمل لکھیں۔
- مضمون خوشخط کاغذ کے ایک طرف اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون میں آیاتِ قرآنی، احادیث نبویؐ اور دوسرے منقول مندرجات کا حوالہ ضرور دیں۔
- اخبار و رسائل میں شائع شدہ پرانے اور غیر اہم مضامین بھیجنے سے احتراز فرمائیں۔
- جو مضمون ان شرائط کے خلاف لکھا جائے گا وہ ناقابل اشاعت ہو گا۔
- ناقابل اشاعت مضمون تین ماہ کے اندر اندر ڈاک ٹکٹ بھیج کر واپس منگوا سکتے ہیں۔

گاہے گاہے باز خواں

حق گوئی و بے باکی

ایک لازوال داستان

محمود عارف۔ لاہور

آج اس جمہوریت کے دور میں ہم شب و روز جس آمریت اور فاشزیت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں۔ یہ اس آمریت کے مقابلے میں ہیچ ہے جو گزشتہ زمانوں کے شاہانِ وقت کی جبینِ ناز سے ٹپکتی تھی۔

ان کے یہاں کوئی مارشل لاء نہ تھا مگر ایسے قوانین تھے جو مارشل لاء سے بھی سخت تھے جو کبھی بھی نہ اٹھائے جاتے تھے۔ ذرا سی بات جو حاکم وقت کو گراں گزرتی تھی وہ قائل کی موت کا پیغام بن جاتی تھی۔ سیاسی مخالفت کا ذرا سا شبہ بھی موت سے اگلی وادی میں پہنچا دیتا تھا۔

مگر اس دورِ بربریت میں بھی علم و عمل کے ایسے آفتاب روشن تھے جو اپنے مضبوط کردار کی بنا پر ہمارے لیے روشنی کا مینار بن گئے جن کی روشنی آج بھی موجود ہے۔

یہ ایسے لوگ تھے جو تلواروں کے سائے میں بھی اپنی آزادی و خودمختاری اور حق گوئی و بے باکی کی شمع روشن رکھتے تھے۔ گو انہیں اس میں جلانے کے لیے اپنا ہی خون پیش کرنا ہوتا۔

یہ لوگ تھے جو قوموں کی عدل و راستی کا سفینہ کامیابی سے ہمکنار کرتے۔ گو انہیں اس کشتی کو چلانے کے لیے اپنی جان کو طوفان کی بھینٹ چڑھانا ہوتا۔

انہیں حاکم کے غصہ کا اندیشہ تھا، نہ بادشاہِ وقت کی پریشانی کا خطرہ۔ انہیں تو بس اس قادر مطلق کے قہر و غضب کا ڈر تھا جو انہیں خوف سے بے نیاز کر دیتا تھا اور وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے تھے۔

ذیل میں تاریخ کے انہی نڈر اور بیباک فرزندوں کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

واقعات کو پڑھنے سے پہلے یہ بات اپنے ذہن نشین کر لیں کہ یہ کس زمانے کے واقعات ہیں۔

اس دور کے! کہ جب نہ کوئی پارلیمنٹ تھی اور نہ ہی حاکموں سے باز پرس کرنے والی کوئی انجمن۔ اس وقت سب سے بڑی طاقت، فرمانروایانِ وقت ہوتے تھے۔ ان کے خلاف کوئی اپیل، کوئی مقدمہ، کوئی شہادت نہ دی جا سکتی تھی اور نہ ہی گنجائش تھی۔

ابن عمرؓ اور حجاج ابن یوسف

حجاج ابن یوسف ثقفی تاریخ کا وہ نامور فرزند ہے کہ اس کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے قصے ہیچ نظر آتے ہیں۔

ایک دفعہ حجاج ابن یوسف خطبہ پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے خطبہ اور سخت کلمات زبان سے نکالتے سنا تو جوشِ غضب سے بھر گئے اور فرمانے لگے:

"خدا کا دشمن! خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کیا۔ خدا کے گھر کو خراب کیا اور خدا کے دوستوں کو قتل۔"

حجاج نے اپنی نسبت یہ الفاظ سنے تو پوچھا "یہ کون ہے؟" کسی نے بتایا۔ عبداللہ ابن عمرؓ صحابی کبیر ہیں۔

اتنا سن کر وہ آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ "بڑے میاں! اب تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے۔"

منبر سے اترا تو ہنوز دل میں ان کی طرف سے غبار باقی تھا۔ اپنے ایک خادم کو اشارہ کیا اس نے زہر میں

بجھا ہوا ایک نیزہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں پر مارا اسی زخم سے آپ کی شہادت ہوگئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲)
انا للہ وانا الیہ راجعون

حجاج ابن یوسف اور سعید ابن جبیرؓ

سعید ابن جبیرؓ ایک جلیل القدر عالم تھے۔ بنو امیہ کی حکومت ان کی کسی وجہ سے مخالف ہو گئی۔ اس لیے ان کی گرفتاری و قتل کے درپے رہتی تھی۔ تمام ملک کے عمال کے نام ان کی گرفتاری کے آرڈر پہنچ چکے تھے۔ اتفاقاً وہ مکہ مکرمہ میں تھے کہ وہاں کے حاکم کو پتہ چل گیا۔ اس نے انہیں گرفتار کر کے حجاج ابن یوسف کے سامنے پیش کر دیا۔

حجاج کو تو یہ تماشا دیکھنے کی بڑے دن سے آرزو تھی۔ بہت خوش ہوا۔ جب حضرت سعید ابن جبیر پا بہ زنجیر اس کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ابن جبیر ہے۔

حجاج: نہیں، تیرا نام شقی ابن کسیر ہے۔

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تُو بھی بدبخت تیری ماں بھی بدبخت۔

سعید: غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حجاج: (جل کر) دیکھو، میں تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔

سعید: اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تمہیں اپنا معبود بنا لیتا۔

اب حجاج نے جو ان کے قتل کے لیے بہانہ ڈھونڈ رہا تھا ان سے نیم سیاسی و نیم مذہبی سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔

حجاج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تیرا کیا قول ہے؟

سعید: آپ نبی رحمت اور امام ہدیٰ تھے۔

حجاج: خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید: میں ان کی طرف سے وکیل نہیں ہوں۔

حجاج: ان میں سے کون سب سے بہتر تھا۔

سعید: جو میرے خالق کی مرضی کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج: سب سے زیادہ "رضا جو" کون تھا؟

سعید: اسے وہی خوب جانتا ہے جو ان کے بھیدوں اور ڈھکی چھپی باتوں سے واقف ہے۔

حجاج نے بہتیرے سوال کئے مگر سعید ابن جبیرؓ ایسے نچے تلے اور صاف صاف جواب دیتے رہے کہ حجاج اور اس کے ساتھ اس کے مصاحبوں کو گرفت کا موقع نہ مل سکا۔ اور ان سوالات سے حجاج کی برہمی بڑھتی گئی۔ آخر حجاج نے زچ ہو کر کہا۔

حجاج: اپنے لیے خود ہی پسند کرو کہ کس طرح قتل ہونا چاہتے ہو۔

سعید: اختر یا حجاج لنفسك فواللہ لا تقتلنی قتلۃً الا قتلك اللہ قتلھا (اے حجاج! تو خود ہی اپنے لیے پسند کر لے۔ بخدا تو جس طرح مجھے قتل کرے گا اسی طرح میرا خدا تجھ کو قتل کرے گا۔

حجاج: کیا میں معاف کر دوں۔

سعید: عفو ہو تو خدا کی طرف سے، اور باقی تُو نہ کسی کو معاف کر سکتا ہے نہ کسی کا عذر قبول کر سکتا ہے۔

اتنی گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ انہیں مقتل کی طرف لے چلو۔ جب حضرت سعیدؓ باہر نکلے تو مسکرا پڑے۔ درباریوں نے حجاج کو خبر کی۔ پھر بلا بھیجا۔ اور مسکرانے کی وجہ پوچھی۔

سعید: عجبت من جرءتك علی اللہ وحلم اللہ علیك (مجھے خدا کے مقابلے میں تیری جرأت پر اور تیری نسبت خدا کے حلم پر تعجب ہوا۔

حجاج اس گرم گرم فقرے کو سن کر اور بھڑکا اور جلاد کو حکم دیا۔ کہ میرے سامنے ان کی گردن ماری جائے۔

اب ابن جبیرؓ شہادت کے لیے مستعد ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر کہا!

انّی وجّہت وجہی للّذی فطر السّمٰوٰت والارض حنیفا و ما انا من المشرکین ‘ (الآیہ)

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو۔

سعید: اینما تولّوا فثمّ وجہ اللّٰہ۔ (جدھر منہ پھیرو گے ادھر ہی خدا موجود ہے)

حجاج: اوندھا ڈال دو۔

سعید: منہا خلقنٰکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اُخریٰ۔ (ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کریں گے)

اب حجاج میں مزید کچھ سننے کی تاب نہ رہی جلاد کو حکم دیا کہ ان کی گردن مار دو۔ حضرت سعیدؓ کی زبان پہ یہ الفاظ تھے۔

”سن لے میں گواہی دیتا ہوں اللہ وحدہ لاشریک کی اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری جان تو لے لے۔ جب تو حشر میں مجھ سے ملے گا میں تجھ سے لے لوں گا۔

ادھر سے جلاد نے تلوار اٹھائی اور آپ کا کام تمام ہو گیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

قتل کے بعد خلاف معمول خون زیادہ نکلا۔ حجاج نے طبیب کو بلا کر وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ مقتول کے دل میں موت کا خوف بالکل نہ تھا اس لیے خون اپنی اصلی حالت میں برقرار رہا اور پوری مقدار میں نکلا۔

یہ شعبان ۹۵ھ کا واقعہ اسی سنہ میں رمضان المبارک میں حجاج بھی ملک عدم کو سدھار گیا۔ سچ ہے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

بقیہ: مولانا عبید اللہ انور کا خطاب

داؤ پر لگا دیا ہے۔ قوم انشاء اللہ ان کا حشر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی۔

متحدہ محاذ کے اشتراک عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا اتحاد اصولوں کی بنیاد پر ہے نہ کہ اغراض کی بنیاد پر جیسے کہ برسر اقتدار پارٹی کا تھا اسی لیے یہ اتحاد مستحکم، پائدار اور دائمی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس اتحاد کو ختم نہیں کر سکتی۔ مولانا نے متحدہ محاذ کے جلسوں پر حکومت کی طرف سے لگائی جانے والی پابندیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اور دنیا کا کوئی جمہوری نظام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ قوم کی آزادی کو سلب کیا جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ ملک میں فوری طور پر اسلامی نظام قائم کیا جائے اور ان لوگوں کے لیے اسلامی نظام قائم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے جنہوں نے مجیب الرحمان کو راتوں رات رہا کر کے بنگلہ دیش پہنچایا اور پھر عوام سے پوچھے بغیر بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔ یہ لوگ اگر اب اسلامی نظام کے نفاذ کے عوامی مطالبہ کو نظر انداز کرتے ہیں تو یہ اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔

جلسۂ عام سے خان عبدالولی خان، چوہدری ظہور الٰہی اور دوسرے رہنماؤں نے بھی خطاب کیا۔

انشاء اللہ تعالےٰ

مجلسِ آیتِ کریمہ

حسب سابق ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء بروز جمعرات نماز عشاء سے قبل جامع مسجد شیرانوالہ میں منعقد ہو گی۔ احباب مطلع رہیں۔

(ادارہ)

بدترین علماء ○ جو حکام کے ہاں حاضری دیں

بہترین حاکم ○ جو علماء کے ہاں حاضر ہوں

ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ سلاطین اور حکام سے دُور رہیں (بلاضرورت) ان کے پاس ہرگز نہ جائیں۔ بلکہ وہ خود بھی آئیں تو ملاقات کم رکھیں۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ میل جول، ان کی خوشنودی اور رضاجوئی میں تکلف برتنے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لوگ اکثر ظلم اور ناجائز امور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں جن پر انکار کرنا ضروری ہے۔ ان کے ظلم کا اظہار ان کے ناجائز فعل پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس پر سکوت، دین میں مداہنت ہے۔ اور اگر ان کی خوشنودی کے لیے ان کی تعریف کرنا پڑے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ اور ان کے مال کی طرف اگر طبیعت کو میلان ہُوا اور طمع ہوئی تو ناجائز ہے۔ بہرحال ان کا اختلاط بہت سے اختلاط کی کُنجی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص جنگل میں رہتا ہے وہ سخت مزاج ہو جاتا ہے اور جو شکار کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ (ہر چیز سے) غافل ہو جاتا ہے۔ اور جس نے بادشاہ کے پاس آمد و رفت شروع کر دی وہ فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ فتنوں کی جگہ کون سی ہیں؟ فرمایا۔ امراء کے دروازے کہ ان کے پاس جا کر ان کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے اور (ان کی تعریف میں) ایسی باتیں کہنی پڑتی ہیں جو ان میں نہیں ہوتیں۔

اسی لیے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے ہاں حاضری دیں۔ اور بہترین حاکم وہ ہیں۔ جو علماء کے ہاں حاضر ہوں۔

علماء کا سلاطین کے ہاں جانا ایک بہت بڑا فتنہ ہے اور شیطان کے اغوا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بالخصوص جس کو بولنا اچھا آتا ہو اس کو شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ تیرے جانے سے ان کی اصلاح ہوگی۔ وہ اس کی وجہ سے ظلم سے بچیں گے اور دین کے شعائر کی حفاظت ہوگی۔ حتیٰ کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان کے پاس جانا بھی کوئی دینی چیز ہے۔ حالانکہ ان کے پاس جانے سے ان کی دلداری میں مداہنت کی باتیں کرنا اور ان کی بے جا تعریفیں کرنا پڑتی ہیں جس میں دین کی ہلاکت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ کو لکھا کہ مجھے ایسے مناسب لوگوں کا پتہ بتاؤ جن سے میں اپنے اس (خلافت کے) کام میں مدد لوں۔ حضرت حسنؒ نے (جواب میں) لکھا کہ اہلِ دین تو تم تک نہ آئیں گے اور دنیا داروں کو تم اختیار نہ کرو گے (اور نہ کرنا چاہیے۔ یعنی حریص، طماع لوگوں کو کہ وہ اپنے لالچ میں کام خراب کر دیں گے) اس لیے شریف النسب لوگوں سے کام لو۔ اس لیے کہ ان کی قومی شرافت ان کو اس بات سے روکے گی کہ وہ اپنی نسبی شرافت کو خیانت سے گندہ کریں۔ ہاں اگر کوئی دینی مجبوری ہو تو اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں مضائقہ نہیں بلکہ بسا اوقات دینی مصالح اور ضرورتوں کا تقاضا جانے ہی میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنی ذاتی غرض، ذاتی نفع، مال وجاہ کمانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہو۔ حق تعالےٰ جل شانہ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ——— (البقرہ ع ۲۷) اور اللہ تعالےٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے

کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں۔

ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ فتوے صادر کرنے دینے میں جلدی نہ کرے۔ مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اُس کا حوالہ کر دے۔

ابو حفص نیشاپوری کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو مسئلہ کے وقت اس سے خوف کرتا ہو کہ کل کو قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ کہاں سے بتایا تھا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے (۱) امامت کرنے سے (۲) وصی بننے سے (یعنی کسی کی وصیت میں مال وغیرہ تقسیم کرنے سے) (۳) امانت رکھنے سے (۴) فتویٰ دینے سے ۔۔ اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں (۱) قرآن پاک کی تلاوت کرنا (۲) مساجد کا آباد کرنا (۳) اللہ تعالےٰ کا ذکر جاری رکھنا (۴) اچھی باتوں کی نصیحت کرنا۔ (۵) بُری باتوں سے روکنا۔

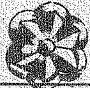
ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام بہت زیادہ ہو۔۔ اپنی اصلاح باطن اور اصلاح قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو کہ یہ علوم ظاہریہ میں بھی ترقی کا ذریعہ ہے۔

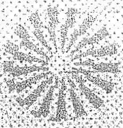
ایک علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں، نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں۔ ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے۔ ہم لوگ اپنی نادانی سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو۔ حالانکہ وہ جہل مرکب ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے حق تعالےٰ شانہٗ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جو اس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم یہ مت کہو کہ علوم آسمان پر ہیں ان کو کون اتارے یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں ان کو کون اوپر لائے یا وہ سمندروں کے پار ہیں کون ان پر گزرے تاکہ ان کو لائے۔ علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں۔ تم میرے سامنے روحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو۔ صدیقین کے اخلاق اختیار کرو میں تمہارے دلوں میں سے علوم کو ظاہر کر دوں گا۔ یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیر لیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے۔ اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالےٰ شانہٗ وہ علوم اور معارف عطا فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

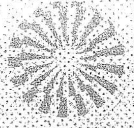
حضورؐ کا پاک ارشاد جس کو حق تعالیٰ شانہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ مجھ سے تقرب حاصل نہیں کر سکتا جو مجھے زیادہ محبوب ہو ان چیزوں سے جو میں نے اُس پر فرض کیں (جیسا کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ یعنی جتنا تقرب فرائض کے اچھی طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسا تقرب دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا) اور بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں اور وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

یعنی اس کا چلنا پھرنا دیکھنا سننا سب کام میری رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں اور بعض احادیث میں اس کے ساتھ یہ مضمون بھی آتا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے اعلان جنگ کرتا ہے اور چونکہ اولیاء اللہ کا غور و فکر سب ہی حق تعالےٰ شانہٗ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن پاک کے دقیق علوم ان کے قلوب پر منکشف ہو جاتے ہیں، اس کے اسرار ان پر واضح ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالےٰ کے ذکر و فکر کے ساتھ ہر وقت مشغول رہتے ہیں





قرآنی دعوت



امانت

امانت بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص شکل ہے ـــــ اردو محاورہ میں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو اس میں کوئی خیانت اور کوئی بددیانتی نہ کی جائے۔ اور اس شخص کے مطالبہ پر یا یونہی وہ جوں کی توں واپس کر دی جائے اور یہ بھی بلاشبہ ایک اخلاقی نیکی ہے۔ لیکن عربی زبان اور خاص کر قرآنی محاورہ میں امانت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تمام حقوق و فرائض کا دیانتداری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابل لحاظ بات کا لحاظ رکھنا اس میں داخل ہے ـــ امانت کے مفہوم کی اس وسعت کو ذہن میں رکھ کر اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات پڑھیئے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا۔

(النساء ع ۸) "بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمہارے پاس اور تمہارے ذمے) جن کی امانتیں ہیں ان کو وہ امانتیں ادا کرو۔"

پس اس آیت کی رو سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کے پاس کسی شخص کی کوئی امانت ہو یا کسی کا مالی یا غیر مالی کوئی حق ہو تو اس کو پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرے اور اس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں اس سے مشورہ لے تو پوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اس کو بھی امانت ہی سمجھے اور اس کا افشا نہ کرے ـــــ الغرض ادائے امانت کے اس قرآنی حکم میں اس طرح کی تمام صورتیں داخل ہیں

نیز قرآن مجید میں ادائے امانت کے اس حکم کے علاوہ اس کی ترغیب اس طرح بھی دی گئی ہے کہ امانتیں ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والوں کو فلاح یاب اور جنتی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں فلاح پانے والوں اور جنت میں جانے والوں کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

(المومنون ع ۱۔ المعارج ع ۱) "اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں"

قرآن مجید میں اس وصفِ امانت کی عظمت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ کے مقدس رسولوں کی اور اس کے مقرب ترین فرشتے جبرئیل کی خاص صفت بتایا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی امتوں سے کہا :

إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝

(الشعراء ع ۶۔۷۔۸۔۹۔۱۰) "میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار پیغامبر ہوں۔ (میرا خاص پیغام یہ ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرو۔"

اور خود قرآن مجید کے بارہ میں اسی سورۂ شعراء میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے :

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝ (الشعراء ۱۱) "لے کر اترا ہے اس کو روح الامین (یعنی اللہ کا خاص امانتدار فرشتہ جبرئیل)"

پس اللہ کے جن بندوں کی یہ چاہت اور آرزو ہو کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں اور اس کے مقرب فرشتوں سے ان کو کوئی نسبت حاصل ہو اور ان کے پاکیزہ اوصاف و اخلاق میں سے ان کا کوئی حصہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ امانت کے وصف کو اپنائیں اور جس کا جو حق ان کے ذمہ ہو اور جو ان کی ڈیوٹی

ٹیلیفون نمبر
۷۰۵۴۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر
۷۰۲۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم [illegible]

تنظیم اہل سنت پاکستان کے زیر اہتمام

سواد اعظم اہلسنت پاکستان کی

مطالبات کانفرنس

زیر صدارت

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بمقام: جامع مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور

بتاریخ: ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء بروز جمعۃ المبارک

کانفرنس میں مسلمانان اہل سنت کے ہر مکتب فکر کے اکابر علماء شرکت فرما رہے ہیں۔

نشست اول — جمعرات: بعد نماز عشاء

نشست دوم — قبل نماز جمعہ

نشست سوم — بعد نماز جمعہ

مسلمانان اہل سنت سے گزارش ہے کہ وہ اس کانفرنس میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

المعلن: مولانا غلام قادر خلیفہ حضرت شیخ التفسیر

عبید اللہ انور پرنٹر و پبلشر نے باہتمام [illegible] پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔